

خودی کیا ہے ؟

علامہ اقبال کے تصورِ خودی پر بہت لکھا گیا ہے لیکن عام طور پر ایسی تحریریں صرف مغربی فلسفیوں کے حوالے سے لکھی گئی ہیں اور علامہ اقبال کے اس مخصوص تصورِ خودی کی ترجمانی نہیں کرتیں جس کا ماخذ قرآن ہے۔ مندرجہ ذیل دو نوٹ عام طرز سے مختلف ہیں۔ پہلا نوٹ جناب منظور احسن عباسی کا ہے اور دوسرا نوٹ راقم الحروف کے قلم سے۔
۲-۲

منظور احسن عباسی

میرا ایک مضمون تفسیرِ خودی آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس نے ازراہ کرم ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا۔ یہ مضمون دراصل اقبال کے نظریہ خودی کے باب میں ان تمام خیالات سے ایک بغاوت ہے۔ جو اب تک ہزاروں صفحات میں شائع ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر جو مضامین شائع ہو چکے ہیں اس کا خلاصہ جدید التوزیع رسالہ ”موسمہ اقبال کا فلسفہ خودی“ مولفہ جناب محمد عثمان میں بھی دہرایا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ خودی کے باب میں

”علامہ (اقبال) کے ہمہ گیر غور و فکر کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان انسان بنے خود کو پہچانے اور اپنی صلاحیتوں کو پوری ذمہ داری کے ساتھ بروئے کار لائے۔“

خودی کی حقیقت یہ بتائی گئی ہے کہ ”اس کا سیدھا سادہ مفہوم خود داری اور خود اعتمادی ہے اور مدعا یہ ہے کہ ”انسان (اور اس اعتبار سے مسلمان) اگر احساس کمتری میں مبتلا ہو اور اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جائے تو اس کے اندر ترقی کرنے اور نشوونما کر ایک بے پناہ قوت بن جانے کے غیر محدود

امکانات پوشیدہ ہیں۔ ضرورت فقط اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو بیچ مقدار سمجھا چھوڑیں اور دوسروں کا احسان مند اور دست نگر بننے رہنے کے بجائے اپنے اوپر بھروسہ کرنا سیکھیں اور خود اپنی قوتوں سے کام لیں۔

آگے لکھا ہے کہ "خودی کی تعریف کرنا بھی مشکل ہے آج نفسیات کی اصطلاح میں شخصیت کا جو مفہوم ہے خودی اس کے بہت قریب ہے۔" اس اصطلاح کی مزید تشریح کرتے ہوئے خودی کا مقصد یہ بتایا گیا ہے "قدرت نے ہر شخص کے اندر جس طور ذہن اور قلب و نظر کی کچھ صلاحیتیں استعدادیں اور قابلیتیں ودیعت کر دی ہیں۔ قدرت کا منشا یہ ہے کہ ہم اپنی ان صلاحیتوں کی تلاش و جستجویں نکلیں اور اس طرح ان کی (گویا اپنی) ترقی اور بقا کا سامان کسریں۔"

اقبالیات پر جس نے بھی قلم اٹھایا ہے ہر ایک نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور خودی کے مفہوم کو جسم و ذہن اور قلب و نظر کی صلاحیتوں کے نشوونما تک محدود رکھا ہے۔ یہ عاجز بھی اپنے مضمون میں مقصد خودی کے باب میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے شارحین اقبال نے جو نصاب عمل تجویز فرمایا وہ اس قدر مبہم اور ناقابل فہم ہے کہ مجھ جیسے کم سواد اشخاص کا ذہن اس میدان میں راہ عمل کا سراغ لگانے سے عاجز ہے۔

بلاشبہ اقبال نے کہا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ انسان بنے اور یہ بھی کہا ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو سمجھے لیکن آخر خودی کے مفہوم سے یہ مطالب کس طرح اخذ کئے گئے۔ اور پھر یہ کہ آخر وہ کون سا شاعر ادیب واعظ۔ راہنما یا فرد مسلم ہے جو اخلاقیات کے اس درس سے نااہل ہے جنھن خودی کا ایک لفظ جس کے معنی لغات میں غور و فکر کے سوا اور کچھ نہیں ہے، کس طرح ان مقاصد کے لئے ایک موزوں اصطلاح بن سکتا۔ خودی۔ انا۔ یا۔ میں جو اس کے معنی بتائے گئے ہیں اس میں سورہ اخلاص کی پوری تفسیر کو سمونے کی وہ کون سی صورت ہے جو رسالہ موصوف کے مؤلف نے کلام اقبال سے نکالی ہے۔

هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کے معنی بلاشبہ یہ ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ کے معنی اللہ بے نیاز ہے۔ یہ بھی درست ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ کے معنی نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے اور نہ اسے کسی نے جنم دیا ہے اور لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ کے معنی اس کے برابر

کوئی نہیں۔ یہ سب کچھ بجا لیکن اگر خودی کے معنی شخصیت کے ہیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس کمتری میں مُبتلا نہ ہوں یا اپنے جسم و ذہن و غیرہ کی صلاحیتیں ڈھونڈتے رہیں اپنی بے پناہ قوت کا سراغ لگائیں اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائیں تب بھی تو آخر کس طرح خودی کے تصور کو اللہ کی ان صفات کے اذعان و ایمان سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے اور پھر یہ سوال ہے کہ آیا جو اقوام انسانی ہمہ جہتی صلاحیتوں کا سراغ لگا کر ارتقا کی انتہائی منازل تک پہنچتی جا رہی ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے جس نے سورہ اخلاص کے ایمانی فضل و شرف کا مقام حاصل کرنے میں کسی بے علم اور علوم حاصرہ سے قطعاً بے خبر صحرائشین عرب سے فوقیت حاصل کی ہو پھر سوال یہ ہے کہ آیا یہی وہ انسانی صلاحیتوں کا سراغ لگانے کی تلقین ہے جس کی بابت علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ

خودی کی جلوتوں میں مصطفائیؐ خودی کی جلوتوں میں کبریائیؑ

اور کیا یہی وہ خودی ہے جس کی بابت علامہ کا ارشاد ہے کہ
مصطفیٰؐ اندر حرا خلوت گزید مدتے جُز خوشین کس را نہ دید

کیا پی الواق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرا کی خلوتوں میں صرف انسانی جسم و فکر و نظر وغیرہ کی بے پناہ صلاحیتوں کی جستجو فرماتے رہے اور ترقی کی راہ کی تلاش میں سرگرم رہے (جیسا کہ باہم اقبال کے نادان دوست تصور کرتے ہیں) پھر آخر خودی سے یہ کس طرح ممکن ہو کہ کوئی شخص اس شعر کا مصداق بن سکے کہ

خودی کو کہ بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

رسالہ موصوف میں ان سوالات کا کوئی جواب موجود نہیں ہے۔ اور نہ مکتبہ اقبالیات کے کسی مفتش نے اس کا جواب دیا اس عاجز نے اپنے مقالہ تفسیر خودی میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ اس مضمون میں اس کا اعادہ ممکن نہیں صرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ خودی کے معنی میں اپنا تحفظ ہے یعنی خود کو شرک سے بچانا ہے۔ اور خودی کا لفظ آیت ”فمن یکفر بالطغوت“ کی تفسیر ہے جس کی تکمیل ”ولیومن باللہ“ سے ہوتی یعنی اقبال کے نظریہ خودی کا مقصد

صرف یہ ہے کہ انسان شیطانی نظریہ شرک سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے شیطان کا منکر ہو اور اللہ کا مومن ہو تب ہی اس کی خودی قائم رہ سکتی ہے۔ اور اسی کو توحید کہتے ہیں۔ اقبال نے بھی خودی کو توحید کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

یہی توحید ایک ذریعہ ہے جو انسان کو مدارج دین اور دنیا کے اوج کمال پر پہنچا سکتا ہے۔ رسالہ زیر نظر میں بھی اقبال کے جن اشعار میں خودی کا لفظ آیا ہے اس سے ہر جگہ ردِ شرک یا اعترافِ توحید مقصود ہے یہ ہے مقصد گردش روزگار کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
گردش روزگار سے خودی آشکار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ کی ناپائیداری شرک سے بیزاری اور فائدہ طلبی کی وحدانیت کا درس دیتی ہے اور ظاہر ہے کہ شرک سے بیزاری ہی میں انسان کی عظمت اور خودی کا تحفظ کرتی ہے۔

چوں حیات عالم از زور خودی ست پس بقدر استواری زندگی ست
یعنی جس قدر انسان کی خودی مضبوط ہوگی اور انسان شرک سے متنفر ہوگا۔ اسی قدر خودی اس کی بقا کی ضامن ہوگی اور اگر انسان باقی ہے تو جہان بھی باقی ہے۔

قطرہ چوں حرف خودی ازبر کند ہستی بے بابہ را گوہر کند
یعنی قطرہ جب اپنی ہستی کو شرک سے بچاتا ہے اور ہمندر کا دست نگر نہیں ہوتا تو موتی بن جاتا ہے اس میں کائنات کے آگے سر بسجود نہ ہونے اور ایک غلے کا ہو کر رہنے کی ہدایت ہے جس کی حسی تمثیل بہت خوب ہے۔
از سوال آتشفنہ اجزائے خودی بے تجلی نخل سینا سے خودی

کسی سے سوال کرنا غیر شعوری طور پر اللہ کی حاجت روائی میں کسی اور کو شریک کرنے کا نام ہے جس سے انسان کی خودی کو ضعف پہنچتا ہے اور نتیجہ اس سے خودی کا نور یعنی وحدانیت دم بڑھ جاتی ہے۔
خودی کے نگہبیاں کو ہے زہر ناب وہاں جس سے جاتی رہے اس کی آب
یعنی روٹی اگر راہ حق سے ہٹ کر میسر ہو جو خودی کے لئے نقصان دہ ہے تو وہ زہر ہے۔

کے معنی یہ ہیں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی خلاف خودی ہے ۔

خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

معنی یہ ہیں کہ اللہ کی بندگی سے ہٹ کر سرداری موت کے برابر ہے ۔

حیات و موت نہیں اتفاقات کے لائق فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

یعنی انسان کو اپنے مقام (اعتراف و حدانیت حق) سے دگ کرنا چاہئے خواہ اس میں زندگی ہیسیانہ ہے

ہے شعر عجم گر چہ طربناک و دلآویز اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیر خودی نیز

یعنی عجمی شاعری بیشتر لاشعوری غلامی کے نتائج میں سے بھی ہے جو شرک خفی ہے اور خودی کی خوبیوں کی غفلت

خوش را چوں از خودی محکم کنی تو اگر خواہی جہاں برہم کنی

یعنی انسان کا خودی مستحکم ہونا یہ ہے کہ وہ شرک سے انکار اور وحدانیت کا اقرار کرے ۔ توحید خاص کے مقابلہ میں

اُس کے نزدیک سارا جہاں بے حقیقت ہو کر رہ جائے گا ۔ ترقی اسی کا نام ہے ۔

غافل از حفظ خودی یک دم مشو ریزہ الماس شو شبنم مشو

یعنی اپنی ہستی کو آلائش شرک سے پاک رکھ ۔ اس کے لئے انسان کو ہرے کی طرح عدم داسخ رکھنا چاہئے شبنم

کی طرح نہ ہونا چاہئے کہ آفتاب کی اندلی سی پیش کے آگے اڑ جاتی ہے ۔ ہیرا آفتاب کی شعاعوں کو منعکس کرتا

ہے اور شبنم آفتاب کی شعاعوں میں گھپل جاتی ہے ۔ نہایت خوب نشیبیہ ہے ۔

مردہ چوں شمع خودی اندر وجود از خیال آسماں پیا چہ سود

یعنی کوئی شخص اپنی ہمہ جہتی صلاحیتوں سے کام لے کر آسمان کی سیر کے خیالات میں گم رہے لیکن توحید کی روشنی

سے بے بہرہ رہے اور شرک کی آلائشوں میں آلودہ ہو ۔ تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس سے انسان کی

خودی مرتب جاتی ہے ۔ اقبال کا کہنا یہ ہے کہ ترقی کا وہ مفہوم نہیں ہے جو اُس کے سترھواں باب کیا گیا ۔ ترقی یہ ہے کہ انسان

خدا کے سوا کسی کے سامنے سربسجود نہ ہو ۔

زندگی برجلے خود بالیدن است از خیال بان خودی گل چیدن است

یعنی زندگی اس کا نام ہے کہ خودی (یکضربا لھاھوت) کے باغ سے پھول چنے اور ایمان باللہ حاصل

کرے ۔ اس کے علاوہ جو معنی بھی کئے گئے ہیں ۔ ان کا خودی کے مفہوم سے ہم آہنگ ہونا دشوار ہے ۔

غرض اقبال کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کو اللہ کی بندگی سے ہر جگہ اُس سے مراد کھنر

بالطاغوت اور ایمان باللہ کی تلقین (یا توحید) ہے۔ خودی ان کے نزدیک صرف یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو شرک کی غلاطت سے آلودہ نہ ہونے دے اور اس میں دین و دنیا دونوں جہانوں کی سر بلندی ہے حیران ہوں کہ آخر لوگ اقبال کو اس نقطہ نظر سے کیوں نہیں دیکھتے۔ المانوی فلسفیوں کے دور از کار نظریات کی عینک سے دیکھنا اس مرد مومن پر ایک ظلم عظیم ہے۔

منظر حسین

علامہ اقبالؒ نے خودی کا لفظ 'احساسِ نفس' یا 'یقینِ ذات' کے لئے استعمال کیا ہے چنانچہ یہ لفظ ان کے ہاں مابعد الطبیعی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور اخلاقی معنوں میں بھی۔ آپ کے نزدیک اس کائنات کی مرکزی حقیقت بھی ایک شخصیت ہے اور خود انسانی ساخت کی بنیادی حقیقت بھی ایک شخصیت، چنانچہ آپ نے ذات باری تعالیٰ کے لئے بھی خودی کا لفظ استعمال کیا ہے اور حقیقت انسان کے لئے بھی۔ علامہ اقبالؒ کے یہ نظریات فلسفیانہ غور و فکر کا حاصل نہیں بلکہ قرآن حکیم میں گہرے تدبیر کا نتیجہ ہیں۔ آپ کے نزدیک خودی قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے اور اپنے اس موقف پر آپ کو اس شدت کے ساتھ اصرار ہے کہ مثنوی اسرار و رموز کے اختتام پر حضورِ رحمتہ اللعالمینؐ میں عرضِ حال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

گر دلم آئینہ بے جوہر است	وہ بھر فم غیر قرآن مضمر است
اے فروغِ صبحِ اعصار و دیور	چشم تو بین بندہ مافی الصدور
پردہ ناموسِ فکر مچاک کن	ایں خیاباں راز خامِ پاک کن
تنگ کن رختِ حیات اندر برم	اہلِ ملت را نگہدار از شرم
سبز کشتِ ما بسا مانم ممکن	بہرہ گیر از ابر نیسا نم ممکن
خشک گرداں بادہ در انگور من	زہر ریزہ اندر مئے کافور من
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا	بے نصیب از بوسہ پاک کن مرا

لہ "میری تحریروں میں لفظ خودی دو معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اخلاقی اور مابعد الطبیعی۔ ہر دو معنوں میں لفظ